© rasailojaraid.com

67

یاد رفتگاں

مولانا علی میاںؒ

پروفیسر خورشید احمد

بیسویں صدی نے ملت اسلامیہ کے جسم و جان پر بہت سے تیشے چلائے اور خصوصیت سے اس کے آخری عشرے میں تو کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایک طرف افغانستان کے جہاد میں بے پناہ قربانیاں دی گئیں' فلسطین لہولہان ہے' مسجد اقصیٰ محبوس و محصور ہے' بوسنیا اور کوسووا میں خون کی ندیاں بہائی گئیں' کشمیر جل رہا ہے' اور شیشان میں خون مسلم کی ارزانی حد سے گزر گئی ہے' تو دوسری طرف اس صدی میں اسلامی فکر کی معمار اور اسلامی احیا کی تاریخ ساز شخصیات ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں۔ چلتے چلتے بھی بیسویں صدی ایک اور چرکا لگا گئی۔ برعظیم پاک و ہند کے صف اول کے دینی رہنماؤں کی آخری نشانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی جدا ہو گئے۔ ۲۳ رمضان المبارک بروز جمعہ' ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹' نماز جمعہ سے کچھ ہی قبل' تلاوت قرآن میں مصروف مولانا علی میاں ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر رب حقیقی سے جا ملے--- اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آنکھیں اشک بار ہیں' روح مضطرب و افسردہ ہے لیکن دل اللہ کے فیصلے پر مطمئن ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن ۵۵:۲۶-۲۸) (ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔ پس اے جن و انس' تم اپنے رب کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے؟)۔

سید ابوالحسن علی ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ (جنوری ۱۹۱۴ء) رائے بریلی یوپی کے ایک ایسے معزز و محترم خانوادہ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد و ہدایت اور دعوت و جہاد میں بڑا نام رکھتا تھا۔ مجاہد ملت حضرت سید احمد شہید کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ علی میاں کے والد اور والدہ دونوں علم و تقویٰ کے اعلیٰ مرتبے پر تھے۔ آپ کے والد مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی نزہۃ الخواطر کے مولف تھے جو پانچ ہزار نامور ہندستانی مسلمانوں کے تذکرے پر مبنی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اور گل رعنا بھی آپ ہی کی تالیف ہے جو اردو کے نامور شعرا کا پہلا مربوط تذکرہ ہے۔ مولانا عبدالحی ندوۃ العلما کے مہتمم اور دینی اور علمی حلقوں میں ایک اونچا مقام رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ خیرالنساء حافظہ قرآن اور حسن اخلاق اور تقویٰ و شرافت کا نمونہ تھیں۔ بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی' والد کے انتقال کے بعد علی میاں کے مربی بنے۔ وہ دینی اور دنیوی علوم کے جامع' ندوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فارغ التحصیل اور والد کے انتقال کے بعد اس کے ناظم تھے۔ علی میاں نے حفظ قرآن کے بعد عربی' فارسی اور اردو میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر ندوہ' دیوبند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور (مولانا احمد علی) سے علوم دینی کی تحصیل کی۔ ۱۹۳۴ میں ندوۃ العلما لکھنؤ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۱ میں ندوۃ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ اس ذمہ داری کو انھوں نے آخری عمر تک نبھایا۔ چھوٹی بڑی ۱۸۷ کتب و رسائل کے مولف تھے۔ دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کے ذریعے لاکھوں انسانوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کا فرض ادا کیا' مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ عالم اسلام کے اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کیے اور سب سے بڑھ کر دنیا کے ہر گوشے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کے دلوں میں عزت اور محبت کا مقام پیدا کیا۔ دنیا میں رہے لیکن دنیا کی آلائشوں سے دامن بچائے رکھا۔ دعوت و تبلیغ کو زندگی کا مشن بنایا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (الاحزاب ۳۳: ۲۳)

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا۔

مجھے نصف صدی کے چوٹی کے اہل علم و فضل سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے لیکن علی میاںؒ ان منتخب بزرگوں میں سے ہیں' جن کی شخصیت سب میں منفرد تھی:

آفاق ہا گردیدہ ام
مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

مولانا علی میاں سے میرا تعارف ان سے بالمشافہ ملاقات سے بہت پہلے ان کی تصانیف کے ذریعے ہوا۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے اولیں دور ہی میں ان کی کتاب سیرت سید احمد شہید پڑھی اور اس کتاب سے نہ صرف سید احمد شہید ہی سے گہرا قلبی تعلق قائم ہوا بلکہ خود مولانا علی میاں کی شخصیت بھی دل میں گھر کر گئی۔

مولانا علی میاں کے بڑے عزیز دوست اور ساتھی مولانا مسعود عالم ندوی نے' جن سے میرا بہت ہی قریبی تعلق تھا اور جمعیت کے اس دور کے تمام ہی ذمہ دار' ان سے بہت گہرا ربط رکھتے تھے اور وہ بھی ہم سب پر بڑی شفقت فرماتے تھے' مولانا علی میاں کی محبت اور عظمت کے نقوش ہمارے دلوں پر مرتسم کر دیے۔ ان کے علم و فضل' ان کی للّٰہیت اور کیفیت عبادت' ان کی عربی دانی اور شوق دعوت و تبلیغ' یہ سب دل و دماغ پر نقش ہو گئے۔ ان کی کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات جو ان کی شہرہ آفاق عربی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کا اردو ترجمہ تھا' پڑھی جس نے فکر و نظر ہی کو جلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ بخشی بلکہ روح کو تڑپا اور گرما بھی دیا۔ اس کے بعد مولانا علی میاں کی ہر تحریر بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور اس طرح دل و نگاہ میں ان کی شخصیت کا ایک خاص مقام بن گیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے بعد میں نے جس شخصیت کی تحریروں سے سب سے زیادہ استفادہ کیا' وہ مولانا علی میاں ہی ہیں۔

مولانا علی میاں سے پہلی ملاقات ۱۹۵۴ء میں لاہور میں ہوئی۔ میں اس وقت جمعیت کا ناظم اعلیٰ تھا۔ بالمشافہہ ملاقات میں ان کو اس ذہنی تصویر سے ہم آہنگ پایا جو ان کی کتب کے مطالعے سے بنائی تھی۔ آخری ملاقات برطانیہ میں ۱۹۹۶ء میں ہوئی جب وہ اسلامک فاؤنڈیشن میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ ہمارے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی اور پھر اس کے بعد نونگھم میں مسجد اور دارالعلوم کے افتتاح کی تقریب میں' میں نے' خرم اور مناظر احسن نے شرکت کی۔ یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ درمیان کے ۴۲ برسوں میں درجنوں بار ان سے ملنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا اور الحمدللہ ان کی شفقت اور ان کے پیار میں اضافے ہی کا گمان رہا۔ میرے لیے تو وہ استاذ' مربی اور محسن تھے لیکن یہ ان کی عظمت ہے کہ انھوں نے اس طرح معاملہ کیا کہ لطف عام بھی لطف خاص کا مزہ دے گیا۔

مولانا علی میاں ایک نامور عالم دین' ایک بلند پایہ مصنف اور دانش ور' ایک صاحب طرز ادیب' ایک سحر انگیز خطیب اور ایک منفرد مؤرخ اور سیرت نگار تھے لیکن سب سے بڑھ کر وہ ایک داعی' ایک مبلغ' ایک مصلح اور ایک صاحب دل مزکی اور مربی تھے۔ ان تمام اوصاف کے اجتماع نے ان کو بیسویں صدی کے اسلامی احیا کے معماروں میں ایک درخشاں مقام پر متمکن کیا۔ میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی قوس قزح پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ان کا فکر و اسلوب ایک ایسا گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس میں اس دور کے کئی اہم مفکرین اور داعیوں کے متفرق پہلوؤں کا اجتماع نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں علامہ اقبال کا سوز و گداز' مولانا مودودی کی عقلیت اور تصور دین کی جامعیت' علامہ شبلی اور مولانا سلیمان ندوی کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا محمد الیاس' مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد زکریا کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ علی میاں کے یہاں یہ سب ایک دوسرے کے ناقض نہیں' ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ناقدین علم و فن نے نظرانداز کر دیا ہے۔

مولانا علی میاں کا اصل میدان تاریخ اور دعوت ہے' سیرت اور انسان سازی ہے' روح کی بیداری اور امت کی ترقی کے لیے اسلاف کے نمونے کا احیا ہے۔ ان کے یہاں خانقاہ اور جہاد' تزکیہ اور انقلاب دونوں دھارے ساتھ ساتھ رواں نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ ایک کو نمایاں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے کو۔ پہلی تالیف سے (جو ۱۹۳۹ء میں شائع ہونے والی سیرت سید احمد شہید تھی) آخری کتاب (تاریخ دعوت و عزیمت) تک تزکیہ اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ باقی رہتا ہے۔ ان کا ذوق اور خاندانی اور دعوتی ماحول جب ان کو دین کی جدید تعبیر و تفہیم کے باب میں کچھ خدشات اور خطرات سے دوچار کرتا ہے' اور وہ کچھ تصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسالیب کے بارے میں تردد اور اضطراب کا اظہار کرتے ہیں تب بھی دین اور قوت کے تعلق، احیا اور اقامت کی خواہش اور طلب، اسلامی حکومت کے قیام اور غلبے کی تمنا کے اظہار پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔ دعوت و عزیمت کی آخری جلد میں سیرت سید احمد شہید کے پہلے ایڈیشن کی ان عبارتوں کو جوں کا توں رکھتے ہیں جن میں قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۷ میں شائع ہونے والی سیرت سید احمد شہید (سلسلہ تاریخ دعوت و عزیمت) حصہ اول میں کتاب سے اسی مقصد کا اعادہ کیا گیا ہے جو ۱۹۳۶ میں رقم کیا گیا تھا یعنی "اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بیان کیا ہے، اور وہ وہی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے خلفاے راشدینؓ اور بعض مجددین امت نے عمل کیا، یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی، سیاسی غلبے کی کوشش کرنا" (ص ۳۷)۔ پھر سید صاحب کی سیرت پر اجمالی نظر کے باب میں دعوت دین کا کام کرنے والے تمام بزرگوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "نفس کے مجاہدے کے ساتھ کفار سے جہاد" اور "شرعی حکومت" کا قیام اسوہ رسالتؐ مآب کا جزو لاینفک ہے۔ دعوت اور خدمت کے تمام کام اہم اور لائق تحسین لیکن "ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں" اور "سید صاحب نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی کے قیام اور اسلامی نظام، قوانین و حدود کے اجرا اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن و کاہ برآوردن" ثابت ہوں گی" (ص ۵۰-۵۱)۔

مولانا علی میاں کا میدان عمل سیاست نہ تھا۔ ان کی جملہ کاوشیں دین کے ہمہ گیر اور جامع تصور کی تشریح و توضیح پر مبنی ہیں اور وہ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے عروج اور غلبے کا خواب دیکھتے رہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ جب ۱۹۸۰ میں انھیں فیصل ایوارڈ ملا تو اس کے ساتھ ملنے والی رقم کا نصف انھوں نے جہاد افغانستان کے لیے اور نصف تحفیظ القرآن کے مدارس کے لیے وقف کیا۔ ملت اسلامیہ کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس پر ان کا موقف ہمیشہ اسلام اور امت مسلمہ کے بہترین مفاد کے مطابق ہوتا تھا۔ بھارت کے مسلمانوں کے لیے انھوں نے دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے ساتھ مسلم پرسنل لا کے تحفظ، شاہ بانو کیس میں اسلامی قانون کی بالادستی، اسکولوں میں بندے ماترم کے خلاف احتجاج کی قیادت کی اور بابری مسجد کے سلسلے میں مجاہدانہ موقف اختیار کیا۔ عالم اسلام کے مسائل خواہ ان کا تعلق فلسطین سے ہو یا افغانستان سے، کشمیر سے ہو یا بوسنیا سے، انھوں نے حق اور انصاف کے مطابق پوری جرأت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر ہمیں بارہا ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ بھارت کی حکومت نے بار بار کوشش کی کہ کشمیر کے معاملے میں ان سے کوئی بات اپنی تائید میں کہلوائیں لیکن انھوں نے کبھی ایسا نہ کیا۔ نجی گفتگو میں ہمیشہ یہ کہا کہ کشمیر کے لوگوں کا حق ہے کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنی مرضی سے کریں۔

مولانا علی میاں کو پاکستان سے گہری محبت تھی اور نفاذ شریعت کی ہر کوشش کے وہ موید رہے۔ وہ زور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے تھے کہ اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر جو تقریر انھوں نے کی اور جن جذبات کا اظہار اپنی خود نوشت کاروان زندگی (جلد دوم) میں کیا' وہ پڑھنے کی چیز ہے۔ اپنی پہلی ملاقات میں' جنرل ضیاء الحق کو مسجد اقصیٰ کا ماڈل پیش کیا اور جو الفاظ اس موقع پر ادا کیے وہ ان کے جذبۂ ایمانی' امت سے محبت اور حق و باطل کی کش مکش میں مسلمانوں کے کردار کے بارے میں ان کے تصور کے عکاس ہیں: "اس ہدیے میں (زبان حال سے) اشارہ بھی تھا کہ مسجد اقصیٰ کی بازیافت اور اس کا استخلاص بھی ایک صاحب ایمان' مسلم صدر مملکت کی ذمہ داری میں ہے (پرانے چراغ' حصہ سوم)۔

مولانا علی میاں کا اسلامک فاؤنڈیشن سے بڑا گہرا قلبی تعلق تھا۔ جب بھی برطانیہ تشریف لاتے' فاؤنڈیشن ضرور آتے۔ مولانا کی کئی کتابوں اور تقریروں کی انگریزی میں اشاعت کی سعادت بھی فاؤنڈیشن کو حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۶ میں نوٹنگھم کی مسجد میں اپنے عام خطاب میں مولانا مودودی اور ان کی علمی اور دینی خدمات کو بڑے موثر الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ فاؤنڈیشن کے کام کی حوصلہ افزائی فرمائی' نام لے کر خرم اور راقم کی مساعی کے لیے کلمات خیر ارشاد فرمائے اور مسلمانوں کے تمام دینی کام کرنے والوں کے درمیان اتفاق اور تعاون کی نصیحت فرمائی۔ مولانا علی میاں نے مولانا مودودی سے اپنے علمی اختلافات کا بھی اظہار بڑے شائستہ انداز میں کیا ہے' اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بڑے کھلے دل سے کیا ہے بلکہ خود اپنے فکری سفر میں ان سے استفادے اور ان کے اثرات کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ندائے ملت میں مولانا مودودی کی وفات پر ان کا انٹرویو دیکھنے کی چیز ہے۔

اس امر کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مولانا علی میاں صرف اردو ہی کے صاحب طرز ادیب نہ تھے بلکہ عربی زبان پر انھیں غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ انھیں بلاشبہ بیسویں صدی کا عربی کا سب سے اچھا غیر عرب ادیب قرار دیا جا سکتا ہے۔ عربی زبان کا شوق ان کو بچپن ہی سے تھا۔ اقبال کی ایک نظم (چاند) کا عربی ترجمہ انھوں نے ۱۶ برس کی عمر میں کیا اور خود اقبال سے داد لی۔ ان کا پہلا عربی مضمون سید احمد شہید پر سید رشید رضا کے مشہور مجلہ المنار میں ۱۹۳۷ میں شائع ہوا۔ اس وقت مولانا علی میاں کی عمر ۱۷ سال تھی۔ اقبال کو عرب دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت سب سے پہلے علی میاں کو حاصل ہوئی۔ ان کی کتاب روائع اقبال (جس کا اردو ترجمہ نقوش اقبال کے عنوان سے شائع ہوا ہے) اس سلسلے کی سب سے کامیاب کوشش ہے۔ عرب دنیا ان کی فصاحت اور بلاغت کا لوہا مانتی ہے۔

علی میاں کو عالم اسلام کے اہم ترین اعزازات حاصل ہوئے۔ جامعہ دمشق اور جامعہ مدینہ میں ان کو وزٹنگ پروفیسر کا مقام حاصل تھا۔ ۳۰ سے زائد ممالک میں بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمی نار میں شرکت فرمائی۔ آکسفورڈ سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر تھے۔ ۱۹۸۰ میں فیصل ایوارڈ ملا۔ ۱۹۹۹ میں دوبئی میں ۱۹۹۸ کی اہم ترین اسلامی شخصیت کا ایوارڈ دیا گیا۔ رابطہ عالم اسلامی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ یونی ورسٹی کے بانی ارکان میں سے تھے۔ موتمر عالم اسلامی لبنان کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرسنل لا بورڈ کے صدر اور مسلم مجلس مشاورت ہند کی شوریٰ کے رکن تھے۔ علی میاں صرف ہندستان کے مسلمانوں کے گل سرسبد ہی نہیں، پوری اسلامی امت کا سرمایہ تھے اور ان کے قلم اور زبان نے پوری دنیا کے مسلمانوں کی خدمت اور رہنمائی کی۔

مولانا علی میاں نے دعوت و تبلیغ کا کام اپنے طالب علمی ہی کے دور سے شروع کر دیا تھا۔ ندوۃ العلما ان کی علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت سے بھی ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں گہرا تعلق رہا۔ اخوان المسلمون اور اسلامی احیا کی تمام ہی اہم تحریکوں سے ان کا گہرا ربط تھا۔ اسلامک فاؤنڈیشن سے بھی موصوف کو خصوصی تعلق تھا۔ خود مجھے گذشتہ ۵۰ برس سے ان کی مشفقانہ سرپرستی کا شرف حاصل رہا اور ان کی وفات کو بالکل اس طرح محسوس کرتا رہا ہوں جس طرح اپنے والد محترم اور مشفق اساتذہ اور رہنماؤں خصوصیت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی کی شفقت اور سرپرستی سے محرومی کو محسوس کیا تھا۔

میں نے مولانا مودودی اور مولانا علی میاں دونوں کے افکار اور کارناموں سے خوشہ چینی کی ہے لیکن دونوں کے مزاج اور اسلوب میں جو فرق تھا اسے میں کبھی کبھی اس طرح بیان کرتا ہوں کہ مولانا مودودی انسان کے دماغ کے ذریعے اس کے دل میں اترتے ہیں اور قلب و نظر پر چھا جاتے ہیں، جب کہ مولانا علی میاں دل کے راستے فکر و نظر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں اور روح کو تازگی فراہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دور کے مسلمانوں کے ان دونوں محسنوں کو بہترین اجر سے نوازے، ان کے درجات بلند کرے اور جو شمعیں انھوں نے روشن کی ہیں، وہ ہمیشہ تابندہ رہیں۔

مولانا علی میاں نہ صرف میرے اور میری نسل کے مسلمانوں کے بلکہ پوری امت مسلمہ کے محسن تھے۔ ان کی زندگی میں سلف کے بزرگوں کی جھلک دیکھی جا سکتی تھی اور وہ ایک خلق کے لیے چشمہ نور و ہدایت تھے۔ ان کا تعلق صرف بھارت سے نہیں، پوری دنیا کے مسلمانوں سے تھا اور ہم سب ان کے اٹھ جانے سے اپنے آپ کو پھر سے یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ غم شدید ہے مگر اللہ کے فیصلے پر قانع ہیں اور ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے مغفرت اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں اور رب حقیقی سے دعا بھی کرتے ہیں کہ اس امت کو ان جیسے حق کی طرف بلانے والوں اور دین کا احیا کرنے والوں سے برابر سرفراز فرماتا رہے تاکہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا علی میاں کو جنت کے اعلیٰ ترین درجات میں جگہ دے اور ان کے تمام لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین!

© rasailojaraid.com